حرفِ اوّل

اسلام کے دینِ کامل ہونے میں تو کسی مسلمان کو کوئی شک نہیں۔ لیکن جب بھی اسلام کے سیاسی نظام (خلافت و امامت) کے حوالے سے عصرِ حاضر میں مقبول سیاسی نظام (جمہوریت) کی نفی کی جاتی ہے ——— تو اپنی مسلمانی پر فخر کرتے والوں کے چہرے سوالیہ نشان بن کر رہ جاتے ہیں۔ یہ سوالیہ نشان دراصل اسلام دشمنوں کی اس کوشش کی کامیابی کی علامت ہے۔ جو انھوں نے مسلمانوں کو اسلام سے متصادم نظریات تسلیم کرانے کے لئے کی ہے۔ جس کے نتیجے میں دورِ حاضر کے مسلمان اسلام کو دینِ کامل قرار دینے کے باوجود شعوری یا غیر شعوری طور پر ان تصورات پر کامل یقین کو بھی جزوِ ایمان سمجھ بیٹھے ہیں، جن پر ایمان لانے کے بعد اسلام کی اساس (توحید و رسالت) کم از کم عمل کی جان نہیں بنتی۔

اسلام ایسے دینِ خالص کے بارے میں جب اس کے پیروکاروں کا زاویۂ نظر یہ تک بن جائے تو اس وقت کم از کم عمل کی جو تصویر بنتی ہے وہ اس پاک سرزمین کے چپے چپے پر دیکھی جا سکتی ہے، جسے نظام اسلام کے نفاذ کیلئے حاصل کیا گیا تھا۔ ہمارے عمل کی یہ تصویر اس تلخ حقیقت کی عکاس بھی ہے کہ اسلام کے نام پر غیر اسلامی تصورات پر مبنی نظام کو اپنایا تو جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے نتائج اسلام کے ثمرات تو نہیں بن سکتے یہی وجہ ہے کہ ایک مسلم معاشرہ جس اخوت، یکجہتی اور استحکام کا مظہر ہوتا ہے۔ پاکستان کے نقشہ سے ابھی اس کے اظہار کا انتظار ہی کیا جا سکتا ہے۔

اسلام دشمنوں کی کامیابی اور مسلمانوں کی ناکامی نے اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ایک ملک میں بھی اپنے اثرات ثبت نہیں کئے بلکہ اس کامیابی اور ناکامی نے فرزندانِ توحید کے درمیان حائل سرحدی لکیروں کو اجنبیت کے سانپ بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور ان سانپوں کے گھیرے میں جن جن مسلمانوں کا عرصۂ حیات تنگ ہے ان کی مدد کیلئے دنیا بھر کے مسلمانوں کی تڑپ تو دیکھی جا سکتی ہے لیکن کوئی عمل نہیں۔ یہ اس لئے کہ ہم ایک خطۂ ارضی میں بھی اسلام کو اس کی روح کے ساتھ نافذ کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ چہ جائیکہ ہمیں اتنی فرصت ملے کہ ہم اللہ کی پوری زمین پر اللہ کے احکام اور اس کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو عملی طور پر نافذ کر سکیں ہماری بے عملی اتنی افسوسناک نہیں جتنی کہ اسلام کو دینِ کامل قرار دینے کے باوجود دینِ خالص کے تقاضوں

سے ہماری بے خبری ہے۔ یہی بے خبری ہمیں اپنی اصلاح کے متعلق سوچنے کی بھی مہلت نہیں دیتی۔ جبکہ یہ امر مسلّمہ ہے کہ اصلاح کی جانب پہلا قدم اپنی غلطی کا اعتراف ہے۔

زیرِ نظر مقالہ (خلافت و جمہوریت) مسلمانوں کو اسلام ایسے دینِ خالص کی طرف رجوع کی ترغیب کی ایک کوشش ہے اور اس میں اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلام کے نام لیوا اسلام کے ابدی اور لامتناہی ثمرات سے محروم کیوں ہیں اور یہ کہ نظامِ خلافت مسلمانوں کے مسائل کا حل کیونکر ہے اور جمہوریت کو اپنانے سے مسلمان کن مسائل سے دوچار ہیں؟

ہمارے محترم مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ میں انھوں نے خلافت و جمہوریت کو لازم و ملزوم قرار دینے کے فلسفہ کا تجزیہ کیا ہے کہ آخر اس فلسفہ کے حامل کیا چاہتے ہیں اور جو وہ چاہتے ہیں کتاب و سنت اس کی تائید کرتی ہے؟ اگر کتاب و سنت سے یہ چاہت متصادم ہے تو اسلام کے یہ "علمبردار" اسلام کا ہی نام کیوں لیتے ہیں۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں یہ جائزہ لیا گیا ہے کہ جمہوریت کو نظری اعتبار سے جن خوبیوں کا حامل نظام قرار دیا جاتا ہے، کیا وہ واقعی عملی صورت میں ایسا ہی ہے؟ یہ جائزہ سیاسیات کے طالب علموں کیلئے بہت ہی اہم ہے کیوں کہ ہماری پچاسی فیصد آبادی، جسے ہم ناخواندہ قرار دیتے ہیں وہ تو رہی ایک طرف طالب علم تک سیاست بازوں کے نعروں میں آکر کتابیں درسگاہوں میں پھینک کر سڑکوں پر آجاتے ہیں اور ان کی واپسی اس وقت ہوتی ہے جب وہ صرف سیاست کے — اور وہ نعروں کی حد تک سیاست کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کا یہ مقالہ ایک لمحہ فکریہ سے کم نہیں کہ کیا مسلمانوں کو ایک خدا کی عبادت کرنی چاہیئے — جو مسلمانوں کے ایک ہونے کا درس دیتا ہے یا اپنے ہی ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بتوں کی اور یہ کہ کیا مسلمانوں کو ایک رسولؐ — کی اتباع کرنی چاہیئے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو اخوت کی ہر ایک ہی لڑی کے موتی بننے کی تلقین اپنے اسوہ حسنہ سے کی، یا خود ساختہ قائدین کی، جو خود بھی ہدایت یافتہ نہیں اور مسلمانوں کو اپنے مفادات کی قربان گاہ پر قربان کرنے کے لئے تلے ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر مقالہ کے بعض مباحث اگرچہ وضاحت طلب ہیں اور بعض محلِ نظر ہیں — لیکن یہ مقالہ خلافت و جمہوریت کے تصادم کو واضح کرنے کی کوشش کا کامیاب آغاز ہے۔ حرفِ آخر صرف عمل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا عمل دینِ خالص کے تقاضے بروئے کار لانے کا تقاضا کرتا ہے۔

(انور طاہر)